© rasailojaraid.com

اہم مسائل پر قومی اتفاق رائے کی ضرورت

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وطن عزیز اس وقت جن حالات سے گزر رہا ہے ان کا تقاضا ہے کہ تمام اہل فکر ونظر مل بیٹھ کر ملت کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کیلئے مشترکہ لائحہ عمل طے کریں۔ قومی اتفاق رائے پیدا کرنے کیلئے پہلے ان مسائل کا تعین ضروری ہے جن سے اس وقت ہم سب من حیث القوم دوچار ہیں۔ کسی بھی انسانی معاشرے کا سیاسی شعبہ ہی پورے ماحول کی اصلاح اور بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ مقننہ ہو یا عدلیہ اور یا انتظامیہ، تمام بنیادی اور فیصلہ کن اداروں کا تعلق سیاست اور نظام حکومت سے ہوتا ہے۔ سیاسی شعبہ کا قبلہ درست کرنے کے لئے مملکت کے نظریاتی تشخص کا تعین وتحفظ ضروری ہے۔ کسی مملکت کا نظریاتی تشخص عمارت کی خشت اول ہے۔ اگر یہ پہلی اینٹ ہی عدلیہ درست نہ ہو تو مملکت کا ہر شعبہ ناقص اور ہر عمارت نامکمل رہے گی۔ نظریہ اور اس کا تشخص کسی قوم کا تعارف اور اس کی عظمت کا نشان ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں سے جو وعدہ علی الاعلان کیا گیا تھا وہ نئی اسلامی مملکت کے دوٹوک نظریاتی تشخص کے بارے میں تھا۔ مسلم لیگ کے زعماء سے لے کر اس نظریاتی مخالفین تک کے کانوں میں ایک ہی نعرہ گونجتا تھا: پاکستان کا مطلب کیا؟...... لا الٰہ الا اللہ۔ اس کا تقاضا تھا اور ہے کہ ہمارے ملک کی یہ نظریاتی شناخت نہ صرف نمایاں ہو بلکہ اس کے تمام تقاضے بھی پورے ہوں۔ بے مقصد معاشرہ انسانی معاشرہ نہیں بلکہ حیوانی زندگی کا نمونہ ہے، جس میں کھانے پینے، شادی بیاہ رچانے، دولت جمع کرنے، پیٹ پالنے اور اپنی ذات کی پوجا پاٹ کرنے کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ بنیادی نظریئے سے محروم قومیں کمزور، بزدل، عیش کوش، مفاد پرست اور اصول شکن ہو جاتی ہیں۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمیں ہمارے زعماء نے تو بہت بلند نظریہ دیا تھا، مگر ہم اس کے تحفظ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آج اس ملک میں ایسے افراد اور جماعتیں بھی موجود ہیں جو اس ملک کی نظریاتی سرحدوں کو مٹا دینا چاہتی ہیں، جن کے نزدیک دو قومی نظریہ محض ایک سیاسی نعرہ تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ حال ہی میں لاہور میں ہونے والی "پنجابی کانفرنس" میں جو کچھ کہا گیا، مملکت کے نظریاتی تشخص کو جس طرح مجروح کیا گیا، قرآن کریم کی تلاوت کو رد کا گیا، علاقائیت، رنگ، نسل اور زبان کے نعرے لگائے گئے۔ یہ سب اس امر کے غماز ہیں کہ اس وقت ملک میں نظریاتی شناخت کو نمایاں کرنے کی ضرورت بہت زیادہ ہے اور یہاں پر قومیت، ذات پات، رنگ، خطے، علاقے اور مادیت کے نعرے لگانے والے استحصال پر مبنی فرسودہ نظام حکومت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک اس وقت قومی سطح پر پاکستان کے نظریاتی تشخص کو نمایاں کرنے کی ضرورت سرفہرست ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے ملک کا دوسرا اہم مسئلہ اداروں کی مضبوطی اور استحکام کا ہے۔مضبوط ادارے، ملک وملت کے استحکام کی علامت اور ضمانت بنتے ہیں اور قوم، افراد اور شخصیات کی بجائے اداروں کے تحفظ اور بقاء کی فکر کرتی ہے۔اگر زیادہ سے زیادہ توجہ اداروں کی مضبوطی پر دی جائے تو ملک بہت جلد چند خاندانوں کی موروثی سیاست کے چنگل سے آزاد ہو جائے گا۔انقلابی اداروں میں بذات خود اتنی طاقت اور استطاعت ہوتی ہے کہ وہ ان شخصی سہاروں کے بغیر اپنے مقاصد حاصل کر سکیں۔سیاسی انقلاب کے لئے عدلیہ کے ادارے کو اتنا مستحکم، فعال اور خود کفیل بنا دیا جائے کہ کوئی حکمران اپنے اثر ورسوخ سے اس کی میزان کا پلڑا اپنی جانب نہ جھکا سکے۔عدلیہ کی فعالیت ہر شخص محسوس کرے، انصاف بے لاگ اور نظر آنے والا ہو اور ساتھ ہی تیز رفتار بھی۔کہیں ایسا نہ ہو کہ انصاف ملنے تک فریادی کے آنسو ہی خشک ہو جائیں۔ماضی قریب میں انتظامیہ کی طرف سے عدلیہ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، سپریم کورٹ کو فتح کرنے کی جو نئی طرح ڈالی گئی، اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ حاصل کرنے کے لئے جو اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے، اس نے اداروں کو کمزور اور شخصیات کو مضبوط بنایا۔عدلیہ، فوج، انتظامیہ، پولیس اور پریس کو باقاعدہ ادارے کا درجہ دے کر ان کے زور، اثر، افادیت اور معنویت سے پورے معاشرے کو درست کیا جا سکتا ہے۔لیکن اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ ادارے بذات خود اتنے طاقتور ہو جائیں کہ وہ پورے افراد اور معاشرے کو اپنے پنجے میں جکڑ لیں بلکہ انہیں بھی احتساب کے کڑے عمل سے گزارنے کا اہتمام کیا جانا چاہئے کہ کہیں ایک خاص مدت کے بعد وہ بدبو نہ دے اٹھیں۔فوج ہمارے ملک کا سب سے مقتدر اور قابل احترام ادارہ ہے، مگر اس کا بھی ایک دائرہ کار ہے۔اگر فوج، انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے امور میں براہ راست یا بالواسطہ مداخلت کرنے لگے تو یہ اس کا اپنی حدود سے تجاوز ہے، جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔فوج کا اولین فرض منصبی ملک کی سرحدوں کی حفاظت ہے۔کار حکومت میں مداخلت یا بزور طاقت اقتدار پر قابض ہونا فوج کے وقار اور قوم کے اعتماد کو مجروح کرتا ہے۔

جہاں تک کرپشن، بددیانتی اور خیانت کا تعلق ہے، یہ معاشرے کے ایسے ناسور ہیں جن سے کم وبیش دنیا کا کوئی ملک خالی نہیں، مگر پاکستان کی طرح دیگر ممالک کی افواج اسے بہانہ بنا کر اقتدار پر نہیں چڑھ دوڑتیں۔میری رائے کے مطابق ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں شاید کرپشن ہمارے ملک سے زیادہ ہو، مگر وہاں پر کبھی فوج نے منتخب حکومت کو برطرف نہیں کیا۔پاکستان میں فوج کی اس روش سے یہ سنگین احتمال موجود ہے کہ اس کی پیشہ وارانہ صلاحیتیں متاثر ہوں اور خدانخواستہ دشمن کی کسی جارحیت کا مؤثر جواب نہ دے سکے۔پاکستان کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ انتخابی طریق کار اور اداروں کی معنی خیز اصلاح کا ہے۔موجودہ طریق کار میں "دولت اور طاقت" ہی واحد فیصلہ کن عنصر ہے۔انتخاب کو دیانتدار جواب دہ اور ذمہ دار نمائندگی کا مظہر بنا کر اسے چوہدریوں، جھتہ بازوں اور سیاسی مداریوں کا تماشہ نہ رہنے دیا جائے۔اس سلسلے میں چند باتیں فوری طور پر طے کی جانی چاہئیں۔

(الف) آئین کی دفعہ ۶۲/۶۳ کی پابندی انتخاب میں حصہ لینے کی شرط اول قرار دی جائے۔جو امیدوار اس صلاحیت کو پورا نہ کرتا ہو اسے کسی صورت میں انتخاب لڑنے کی اجازت نہ ہو۔(ب) ہر وہ خاندان جو کسی مرحلہ میں انگریز حکومت کا وفادار، وظیفہ خوار اور معاون رہا ہو وہ ہمیشہ کے لئے قومی نمائندگی کے لئے نااہل قرار دیا جائے۔بالخصوص جن خاندانوں کو انگریز نے "غیر معمولی خدمات" کے عوض کوئی جاگیر بخشی ہو یا ایسا منصب بخشا ہو جو اس کے جاگیردار بننے کا واسطہ ثابت ہوا ہو، وہ خاندان کسی انتخاب میں حصہ نہ لے سکے۔(ج) کسی ان پڑھ سرمایہ دار اور جاہل جاگیردار کو اسمبلی میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔(د) جس ممبر نے اپنی رکنیت، وزارت، مشاورت کے توسط سے کبھی کوئی غیر ضروری اور غیر معمولی فائدہ اٹھایا ہو، خواہ وہ قرض، پرمٹ، لائسنس وغیرہ کی شکل میں ہو، اس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسمبلیوں کے دروازے بند کردیئے جائیں۔ ان شاء اللہ یہ چند اشارے مستقبل میں مفید اور مثبت کردار ادا کریں گے۔

ایک اہم مسئلہ کرپشن سے معاشرہ کو پاک کرنا ہے، جس کے لئے بے لاگ احتساب ضروری ہے۔ خوش قسمتی سے اس کا نعرہ تو ہر حکومت نے لگایا، لیکن بدقسمتی ہے کہ نیک نیتی سے اس کے ایفاء کی کوشش کسی عہد میں بھی نہیں کی گئی اور احتساب کو صرف اپنے سیاسی مخالفین کی گردنیں ناپنے، نااہل قرار دینے اور جرمانے کرنے تک محدود رکھا گیا۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہمارے معاشرے میں احتساب کے نعرے کے باوجود ایک عرصہ دراز سے احتساب کا عمل رکا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں سفارش، رشوت، دھونس، دھاندلی، بدعنوانی اور طاقت کے اظہار جیسی برائیاں عام ہو چکی ہیں۔ بے لاگ احتساب کے ذریعے نہ صرف آئندہ کے لئے ان خطرات کی روک تھام ہوگی بلکہ ہضم شدہ دولت اور پامال شدہ حقوق بھی واپس ملیں گے۔ احتساب کے پھندے میں کسی صدر کی گردن پھنسے یا وزیر اعظم کی، کسی سفیر کی یا وزیر کی، کسی جرم کا ارتکاب ارباب اقتدار کی طرف سے ہو یا رعایا کی طرف سے، دونوں قابل مؤاخذہ اور لائق احتساب ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو بے لاگ احتساب کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھنا چاہئے۔ مسائل کی فہرست میں ایک مسئلہ "بیوروکریسی" کی اصلاح بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ اپنے لئے عوام کے ذہنوں میں بجز نفرت کے کوئی اور جذبہ پیدا نہیں کرسکا۔ اس طبقہ کی ذہنیت یہ ہے کہ حکومت خدمت کی بجائے صرف اظہار قوت اور حصول دولت کا ذریعہ ہے۔ بیوروکریٹ طبقہ کی ایسی اصلاح ضروری ہے کہ اس کا مطمح نظر فقط تنخواہ، الاؤنس، کروفر، مراعات اور تعیش نہ ہو بلکہ حکومت کی مدد اور عوام کی تائید ہو۔ حکومت عوام کی امانت ہے، لیکن بیوروکریٹ اسے مال تجارت سمجھتے ہیں جو اپنے عہدے کے چھوٹے اور بڑے ہونے کے لحاظ سے اسے آپس میں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ ان طبقہ کی اصلاح کے بغیر شریف سے شریف انسان کو بھی وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بٹھا دیا جائے تو اس کے ناکام ہونے کے واضح امکانات موجود رہیں گے۔ بیوروکریٹ طبقہ میں تحصیل دار سے لے کر صدر مملکت تک یہ باور کر بیٹھے ہیں کہ اگر ہمیں قانون ہی کی پابندی کرنی تھی تو پھر صدر، وزیر اعظم، وزیر، گورنر، سیکریٹری کمشنر، تحصیل دار اور تھانیدار بننے کی کیا ضرورت تھی؟ قانون رعایا کے لئے ہوتا ہے، حاکموں کے لئے قانون چہ معنی دارد؟ جب قانون کے نفاذ کا مرحلہ آتا ہے تو بگڑے ہوئے افسر اور امیر زادے ہر گرفت سے آزاد اور ویسے کے ویسے معزز ہوتے ہیں۔ اور غریب کا بیٹا ہتھکڑیوں سمیت عدالت کے کٹہرے میں قید بامشقت کی سزا سن رہا ہوتا ہے۔ معمولی سپاہی اور کلرک رنگے ہاتھوں ساٹھ روپے رشوت لیتا پکڑا جائے تو اس کی مائیں بہنیں اور بیٹیاں تک تھانے کی حوالات میں پہنچ جاتی ہیں اور افسران کرام، وزراء عظام اور ممبران کرام کروڑوں روپے ہضم کرجائیں، غریب دہقان کی عزت تارتار کردیں، بستی کی بستی اجاڑ ڈالیں تو قانون دانتوں میں انگلی دبائے بے بس نظر آتا ہے۔ میں اور آپ، ہم سب یہ سوچیں کہ اس کائنات میں کون مائی کا لال ہے خواہ وہ دارا ہو، سکندر ہو، چنگیز ہو، لودھی ہو یا غزنوی، صدر یا گورنر، چوہدری ہو یا پیر صاحب، جو خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ معتبر گردانتا ہو یا دنیا کا کوئی اور فرد اسے معزز سمجھتا ہو اس آسمان کے نیچے اور دھرتی کے اوپر ایسا کوئی نہیں، نہ بزعم خویش اور نہ بہ گمان دیگر۔ لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس تمام تر جلالت، عظمت، عصمت، تمکنت اور تقدس کے باوجود سب سے بڑھ کر قانون کی پابندی کرنے والے اور اپنے اوپر قانون کو نافذ کرنے والے تھے۔ اور انہوں نے دنیا بھر کو یہ انقلابی اور عبرت آموز درس دیا کہ "تم سے پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان کا چھوٹا کوئی جرم کرتا تھا تو وہ قانون کے مطابق سزا کا مستحق ٹھہرتا، مگر ان کا بڑا قانون کے دائرے سے آزاد سمجھا جاتا تھا۔" ہمارا معاشرہ اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ گو اور امتی ہے۔ مگر رویہ اور طرز عمل ان کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ ملک کے اہل فکر ونظر اور اصحاب علم وفضل سے امید ہے کہ وہ تسامحات سے درگزر کرتے ہوئے متکلم کے درد دل اور ملت کے لئے اس کے خیر خواہی کے جذبات کو ملحوظ فرمائیں گے۔

© rasailojaraid.com